© rasailojaraid.com

اسلامی رواداری: اعتقادی اور فکری بنیادیں

یوسف القرضاوی/ترجمہ: ارشادالرحمٰن

دینی اعتبار سے اپنے مخالفین کے ساتھ معاملات میں جو تصور اور نظریہ مسلمانوں کی رہنمائی کرتا ہے اس کی اصل اور اس کا منبع وہ افکار اور روشن حقائق ہیں، جو اسلام نے مسلمانوں کے دل و دماغ میں اُتار رکھے ہیں۔ ان میں سے چند اہم افکار و حقائق یہ ہیں:

۱- متعدد گروہوں کے وجود کا اقرار: اسلامی رواداری کی پہلی بنیاد یہ ہے کہ انسانوں کے مختلف اور متعدد گروہوں، جماعتوں اور قوموں کے وجود کا اسلام نے اعتراف کیا ہے۔ تعدد اور تنوع تمام مخلوقاتِ خداوندی میں موجود ہے۔ یہ ایک فطری چیز ہے اور کائناتی اصول اور قانون ہے۔ مومن جس طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھتا ہے اسی طرح مختلف شعبوں کے اندر انسانی مخلوق کی یکسانیت کے باوجود اُن کے نسلی، قومی، لسانی اور دینی تنوع کو بھی مانتا ہے۔ نسلی اختلافات کو قرآنِ مجید نے یہ کہہ کر واضح کیا ہے: وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا (الحجرات ۴۹:۱۳)، ''اور تمھاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو''۔ لسانی اختلاف کا ذکر یوں کیا: ''اور اُس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمینوں کی پیدایش، اور تمھاری زبانوں اور تمھارے رنگوں کا اختلاف ہے، یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانش مند لوگوں کے لیے''۔(الروم ۳۰:۲۲)

دینی تنوع اور اختلاف کا اقرار کرتے ہوئے فرمایا: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۝ (ہود ۱۱: ۱۱۸-۱۱۹)، ''بے شک تیرا رب اگر چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک گروہ بناسکتا تھا، مگر اب تو وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختلف طریقوں ہی پر چلتے رہیں گے اور بے راہ رویوں سے صرف وہ لوگ بچیں گے جن پر تیرے رب کی رحمت ہے۔ اسی کے لیے تو اس نے انھیں پیدا کیا تھا''۔

مفسرین نے وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُم کا مفہوم یہ بیان کیا ہے: وَلِلاِختِلَافِ خَلَقَهُم، یعنی اسی اختلاف اور تنوع کے لیے تو انھیں تخلیق کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ جب ہر ایک کو عقل و ارادے کی صلاحیت عطا کی گئی ہے تو اُن کے نقطہ ہاے نظر اور ادیان و مذاہب لازماً مختلف ہوں گے۔ غرض یہ کہ ان تمام طبیعی دلائل کے ساتھ ہم اس حقیقت کا مشاہدہ تو اپنی نظروں سے کرتے ہیں کہ ایک ہی دین کے اندر فکری اور مسلکی تنوع اور اختلاف موجود ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو دین نازل کیا ہے اس کی بنیاد نصوص (متن) پر ہے۔ اور ان نصوص کا فہم ایک سے زیادہ نقطۂ نظر، تعبیرات اور اجتہادات کی اپنے اندر گنجایش رکھتا ہے۔ اللہ قادر مطلق کے لیے تو یہ ہرگز مشکل نہیں تھا کہ وہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی راے اور مسلک پر یک جا اور متفق کر دیتا۔ اور اگر چاہتا تو اللہ تعالیٰ سارے کے سارے دین کو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ نصوص پر قائم کر دیتا کہ پھر اُس میں اختلاف کی گنجایش ہی باقی نہ رہتی۔

ہماری عمومی دنیاوی اور معاشرتی زندگی میں بھی یہ تنوع اور اختلاف ہر جگہ موجود ہے۔ سیاسی جماعتیں اور گروہ موجود ہیں، اگر ہم فقہی مذاہب (مسالک) کا شروع سے جواز فراہم کرتے آئے ہیں تو سیاسی گروہوں کے وجود کا انکار کیوں کر کر سکتے ہیں۔ یہ بھی فقہ کی طرح سیاست کے مذاہب (مسالک) ہی تو ہیں۔ اور فقہی مذاہب کیا ہیں؟ گروہ اور جماعتیں ہی تو ہیں!!

مسلمان کا یہ عقیدہ کہ ہر انسان معزز و محترم ہے، اس کا دین، قومیت، اور نسل جو بھی ہو۔ اِس عقیدے کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل ۱۷:۷۰) ''یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی''۔ یہ بیان شدہ عزت ہر انسان کے لیے احترام و مقام کا حق واجب ٹھیراتی ہے۔ اس کی عملی مثالیں بہت سی ہیں۔ ان میں ایک امام بخاری کی روایت کردہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی یہ حدیث ہے: ''ایک بار ایک جنازہ نبیؐ کے پاس سے گزرا تو آپؐ اس کے احترام میں اُٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ آپؐ سے کہا گیا کہ یہ تو ایک یہودی کا جنازہ تھا! آپؐ نے جواب میں فرمایا: کیا یہ ایک جان نہیں ہے؟'' دیکھیے رسولِ کریمؐ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیسی عمدہ توجیہہ بیان کی اپنے اس عمل کی کہ اسلام میں تو ہر جان کی ایک حُرمت اور مقام ہے۔

۲- اختلاف، اللہ کی مشیت: رواداری کی دوسری بنیاد مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ انسانوں کے مختلف ادیان کا ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور مرضی سے ہے۔ اس نے اپنی مخلوقات کی اس نوع، یعنی انسان کو کوئی دین و عقیدہ اپنانے اور چھوڑنے کا اختیار اور آزادی عطا کر رکھی ہے۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکھف ۱۸:۲۹)، ''صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمھارے رب کی طرف سے، اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کردے''۔ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَo (ھود ۱۱:۱۱۸)، ''بے شک تیرا رب اگر چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک گروہ بنا سکتا تھا، مگر اب تو وہ مختلف طریقوں ہی پر چلتے رہیں گے''۔

ایک مسلمان کا یہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کو کوئی روک نہیں سکتا، کوئی بدل نہیں سکتا، اور نہ کوئی اللہ تعالیٰ سے اس کی منشا و مرضی کے بارے میں پوچھ سکتا ہے لیکن مسلمان اس حقیقت کا بھی یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں وہی کچھ ہوتا ہے جس میں خیر و حکمت ہو۔ انسان اس سے واقف ہوں یا لاعلم رہیں، اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی مسلمان ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں سوچ سکتا کہ وہ تمام لوگوں کو مجبور کر کے مسلمان بنا لے۔ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ رسولؐ اللہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا ہے: وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَo (یونس ۱۰:۹۹)، ''اگر تیرے رب کی مشیت یہ ہوتی (کہ زمین میں سب مومن و فرماں بردار ہی ہوں) تو سارے اہلِ زمین ایمان لے آئے ہوتے۔ پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں؟'' وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَo (الانعام ۶:۳۵)، ''اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کرسکتا تھا، لہٰذا نادان مت بنو''۔

اور اگر اللہ چاہتا کہ تمام لوگوں کو ہدایت یافتہ فرماں بردار مومن بنا دے تو وہ اُن کو کسی دوسری صورت پر تخلیق فرماتا جیسے فرشتوں کو اپنی مکمل اطاعت و عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ (الانبیاء ۲۱:۲۰)، ''شب و روز اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دم نہیں لیتے''۔ لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○(التحریم ۶:۶۶)۔ ''وہ کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انھیں دیا جاتا ہے اُسے بجالاتے ہیں''۔

اور یہ دینی اختلاف تو واقع ہی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور مرضی سے ہے، لہٰذا کون ہے جو اللہ کی منشا و مرضی کے سامنے کھڑا ہو سکے؟ اور کون ہے جو تمام ادیان کو مٹا کر اپنے ہی دین کو باقی رکھنے کی سوچ سوچے؟ اگر کوئی ایسا تجربہ کرنا چاہے تو کر کے دیکھ لے، اس کے حصے میں ناکامی و شکست کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔ غلبہ اور فتح، اللہ واحد و قہار کی مشیت ہی کو حاصل ہوگی۔

۳- اختلاف کرنے والوں کا حساب روز قیامت ہوگا: اسلامی رواداری کی تیسری بنیاد یہ ہے کہ مسلمان اس بات کا بھی پابند نہیں ہے کہ وہ کافروں کا محاسبہ کرے کہ تم کافر کیوں ہو؟ اور نہ وہ گمراہوں کی گمراہی پر انھیں سزا دے سکتا ہے۔ اس لیے کہ یہ اس کا کام نہیں ہے اور نہ سزا اور جزا کا مقام یہ دنیا ہے۔ ایسے لوگوں کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور اس کا ایک دن مقرر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مسلمان کسی کافر اور گمراہ کو سزا نہیں دے سکتا تو وہ کسی کو جزا اور بدلہ دینے کی ذمہ داری بھی نہیں اٹھا سکتا۔ کیونکہ وہ کسی کو جزا دینے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَ اِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○ (الحج ۲۲:۶۸-۶۹)، ''اور اگر وہ تم سے جھگڑیں تو کہہ دو'' جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ کو خوب معلوم ہے، اللہ قیامت کے روز تمھارے درمیان ان سب باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے رہے ہو''۔ رسول کریم کو مخاطب فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کے بارے میں فرمایا: ''اے محمدؐ، اب تم اسی دین کی طرف دعوت دو، اور جس طرح تمھیں حکم دیا گیا ہے اُسی پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جاؤ، اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو، اور ان سے کہہ دو کہ: ''اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی ہے میں اس پر ایمان لایا، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہی ہمارا رب ہے اور تمھارا بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمھارے اعمال تمھارے لیے۔ ہمارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ایک روز ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے''۔(الشوریٰ ۴۲:۱۵)

ان تعلیمات اور ہدایات کی بنا پر مسلمان کا ضمیر پُرسکون رہتا ہے۔ اس کے دل کے اندر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے عقیدے اور کافر کے کفر کے درمیان ایسا کوئی تصادم محسوس نہیں ہوتا کہ وہ کافروں کے ساتھ احسان اور انصاف نہ کرے، اور انھیں اُن کے دین و اعتقاد پر قائم نہ رہنے دے، اور زبردستی انھیں مسلمان بنانے اور ایذا پہنچانے کا ہدف ٹھیرا لے۔

۴- **ساری انسانیت کو ایک ہی خاندان سمجھنا**: دینی رواداری کی چوتھی بنیاد یہ نکتہ ہے کہ اسلام تمام انسانوں کو ایک خاندان کے طور پر دیکھتا ہے، ان کے طبقات، علاقے، زبانیں اور رنگ و نسل جو بھی ہوں۔ یہ خاندان بحیثیت مخلوق ربِ واحد کی طرف اور بحیثیت نسب ایک باپ کی طرف منسوب ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کا اظہار کرتے ہوئے قرآنِ مجید نے انسانوں کو بلکہ تمام کے تمام انسانوں کو مخاطب کیا ہے: یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِہٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ○ (النساء ۴:۱)، ”لوگو، اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اُس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے۔ اُس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے، اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے“۔

یہاں استعمال ہوئے لفظ الارحام جن تمام تر انسانی رشتوں پر مشتمل ہے اس کو واضح کرنا مناسب ہوگا۔ خاندانِ انسانی کی وحدت جیسی اس حقیقت کو رسولِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر عظیم اجتماع کے سامنے علی الاعلان یوں بیان فرمایا تھا: ”لوگو! یقیناً تمھارا رب ایک ہے، تمھارا باپ ایک ہے، تم سب آدمؑ کی نسل سے ہو، اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔ لہٰذا کسی عرب کو غیر عرب اور کسی غیر عرب کو عرب پر کوئی فوقیت اور برتری حاصل نہیں۔ مگر صرف تقویٰ کی بنیاد پر۔ کیونکہ تم میں سے اللہ کے نزدیک معزز ترین وہ ہے جو سب سے بڑا متقی ہے۔

رسول کریمؐ کے یہ الفاظ قرآنِ مجید کی سورۂ حجرات کے اس مضمون کو تاکید مزید کے طور پر بیان کرتے ہیں: یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ○ (الحجرات ۴۹:۱۳)،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمھاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمھارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے؟''۔

اس آیت میں ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی سے مراد حضرت آدمؑ وحواؑ ہیں، اور وہی انسانیت کے والدین ہیں۔ اس مضمون کی مزید تائید و تصدیق مسند احمد اور ابوداؤد میں مروی حضرت زید بن ارقمؓ کی یہ روایت ہے کہ نبی کریمؐ ہر نماز کے بعد یہ دعا کیا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْ ءٍ وَمَلِیْکَہٗ ، اَنَا شَھِیْدٌ اَنَّکَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ

اے اللہ! ہمارے اور ہر شے کے پروردگار اور مالک! میں یہ شہادت دیتا ہوں کہ تو واحد ہے تیرا کوئی شریک نہیں!

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْ ءٍ وَمَلِیْکَہٗ ، اَنَا شَھِیْدٌ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ

اے اللہ! ہمارے اور ہر شے کے پروردگار اور مالک! میں یہ شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ تیرے بندے اور رسولؐ ہیں!

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْ ءٍ وَمَلِیْکَہٗ ، اَنَا شَھِیْدٌ اَنَّ الْعِبَادَ کُلُّھُمْ اِخْوَۃٌ

اے اللہ! ہمارے اور ہر شے کے پروردگار اور مالک! میں یہ شہادت دیتا ہوں کہ تمام کے تمام انسان بھائی بھائی ہیں!

قرآنِ مجید نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ انسانی اخوت کے ساتھ اہلِ ایمان اور اہلِ دین کے درمیان دینی اخوت بھی ہے۔ جیسا کہ فرمایا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (الحجرات ۴۹:۱۰)، ''مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں''۔ دوسری جگہ فرمایا: فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا (اٰلِ عمرٰن ۳:۱۰۳)، ''اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے''۔

اسی طرح قرآنِ مجید قومی اور وطنی اخوت کا اقرار بھی کرتا ہے، جیسا کہ رسولوں اور اُن کی مکذب قوموں کے درمیان اُخوت کا اقرار موجود ہے، مثلاً فرمایا: ''اور عاد کی طرف ہم نے اُن کے بھائی ہود کو بھیجا'' (اعراف ۷:۶۵)۔ ''اور ثمود کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالح کو بھیجا'' (النمل ۲۷:۴۵)۔ یہاں اخوت دینی بالکل نہیں ہے بلکہ قومی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر رسول لوگوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو دین کی دعوت دینے کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ کرتا: یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ (اعراف ۷:۵۹)، ''اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی خدا نہیں ہے''۔ جب یہ چیز موجود ہے تو تمام انسانوں کا انتساب انسانیت کے باپ حضرت آدمؑ کی طرف ہونے کے اعتبار سے انسانی اخوت لامحالہ موجود ہے۔ اس نسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآنِ مجید میں پانچ مقامات پر لوگوں کو 'یا بنی آدم' کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔

۵- انسان کی تکریم محض انسانیت کی بنیاد پر: اسلامی رواداری کی پانچویں بنیاد یہ ہے کہ انسان بحیثیت انسان قابلِ تکریم و احترام ہے۔ اُس کے قابلِ تکریم ہونے میں اُس کی چمڑی کے رنگ، آنکھوں کے رنگ، بالوں کے رنگ، چہرے اور ناک کی بناوٹ، اُس کی زبان کے لہجے، اس کے علاقے کے محلِ وقوع، اس کے خاندانی شجرۂ نسب، یا کسی معاشرتی طبقے سے تعلّق، حتیٰ کہ اُس کے دین کو بھی کوئی دخل حاصل نہیں ہے جس پر اُس کا ایمان ہے۔

انسان کی تکریم اور احترام قرآن کی نظر میں صرف اور صرف انسانیت اور آدمیت کی بنیاد پر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدمؑ کو بزرگی دی اور انھیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی'' (بنی اسرائیل ۱۷:۷۰)۔ مزید فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین ۹۵:۴)، ''ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا''۔ پھر فرمایا: اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَہُ الْبَیَانَ ○ (الرحمٰن ۵۵:۱-۴) ''نہایت مہربان (خدا) نے اس قرآن کی تعلیم دی ہے۔ اُسی نے انسان کو پیدا کیا اور اُسے بولنا سکھایا''۔ نزولِ قرآن کی سب سے پہلی وحی میں فرمایا: اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ○ (العلق ۹۶:۳-۵)، ''پڑھو، اور تمھارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا''۔

تخلیق آدمؑ کے بعد حضرت آدمؑ اور فرشتوں کے درمیان ایک مقابلے کا انعقاد کیا گیا جس میں ابوالبشر حضرت آدمؑ کی فرشتوں پر فضیلت ظاہر ہوگئی۔ اس پہلو سے اسلام نے احترامِ انسان کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا یہ جائز نہیں کہ کسی کی موجودگی میں اُسے کوئی تکلیف پہنچائی جائے۔ یا اُس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غیر موجودگی میں کسی ایسے لفظ سے اُس کی توہین کی جائے جس کو اگر وہ سُن لے تو اُسے ناگوار ہو، خواہ یہ بات بذاتِ خود حقیقت ہی ہو مگر اُسے تکلیف دینے کا باعث بنے۔ حتیٰ کہ انسان کے مرجانے کے بعد بھی اُس کا ذکر اچھے لفظوں میں کیا جائے۔ انسان زندہ ہو یا مرنے کے بعد نعش کی صورت میں موجود ہو، کسی بھی حالت میں اُس کے جسم کی بے حُرمتی جائز نہیں ہے۔ حدیث رسولؐ میں تو یہاں تک آیا ہے: ''میت کی ہڈی کو توڑنا زندہ انسان کی ہڈی کے توڑنے جیسا عمل ہے''۔ اس سلسلے میں ایک یہودی میت کے احترام میں رسول کریمؐ کے کھڑے ہونے کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔

۶- بلا تفریقِ مذہب عدل و انصاف کا قیام: دینی رواداری کی چھٹی بنیاد مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے۔ انصاف اسے پسند ہے، وہ اچھے اور اعلیٰ اخلاق کی طرف بلاتا ہے، خواہ مشرکین کے ساتھ ہی معاملہ کیا جارہا ہو۔ اللہ تعالیٰ ظلم کو پسند نہیں کرتا بلکہ ظالموں کو سزا دیتا ہے، خواہ یہ ظلم ایک مسلمان کی طرف سے کافر پر ہی کیوں نہ کیا گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے''۔ رسول اللہؐ کی بھی یہ حدیث ہے کہ ''مظلوم کی بددعا سے بچو (خواہ وہ کافر ہی ہو)۔ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی''۔ (المائدہ ۵:۸)

غیر مسلموں کے ساتھ اسلام کی رواداری ایسی رہی ہے کہ تاریخ نے اس کی کوئی مثال نہیں دیکھی۔ یہ رواداری اس وقت تو خاص اہمیّت اختیار کرلیتی ہے جب معاملہ اہلِ کتاب کا ہو۔ اس سے بڑھ کر یہ رواداری اس وقت اور زیادہ نمایاں اور پُربہار ہوجاتی ہے جب یہ غیر مسلم دارالاسلام (اسلامی ریاست) کے شہری ہوں، اور اگر یہ کہا جائے تو حرج نہیں کہ اُس کی اہمیّت اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے جب یہ غیر مسلم خود کو عرب تمدن میں ڈھال چکے ہوں اور عربی کو اختیار کرچکے ہوں۔

۷- انسانی عداوتیں دائمی امر نہیں: دینی رواداری کی ساتویں بنیاد جس کو اسلام نے قائم کیا، مسلمانوں کو اُس کی تعلیم دی اور اُن کے دلوں دماغوں میں راسخ کیا، وہ یہ ہے کہ بسا اوقات کچھ لوگ مختلف دینی اور دنیاوی وجوہات کی بنا پر آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔ یہ عداوتیں حق ہوں یا باطل، کبھی ابدی اور دائمی نہیں ہوتیں۔ دل بدل جاتے ہیں، حالات تبدیل ہوجاتے ہیں اور کل کے دشمن آج کے گہرے دوست بن جاتے ہیں۔ آج فاصلے پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہنے والے کل کے قریبی ٹھیرتے ہیں۔ یہ تبدیلی انسانی تعلقات کا انتہائی اہم اصول ہے۔ لہٰذا یہ جائز نہیں کہ انسان اپنی عداوت میں اس حد تک آگے نکل جائیں کہ صلح کا کوئی موقع اور گنجایش باقی نہ رہے۔ سورۂ ممتحنہ میں اس بات سے اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ دوستی قائم کرنے سے منع کرنے کے بعد پوری وضاحت سے متنبہ کر دیا گیا۔ اس موقع پر حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے رفقا کی استقامت کی مثال دی گئی ہے۔ جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا تھا: اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ (الممتحنہ ۶۰:۴)، ''ہم تم سے اور تمھارے اُن معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں، ہم نے کفر کیا اور ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت ہوگئی اور بَیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ''۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ وَّاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ (الممتحنہ ۶۰:۷)، ''بعید نہیں کہ اللہ کبھی تمھارے اور ان لوگوں کے درمیان محبت ڈال دے، جن سے آج تم نے دشمنی مول لی ہے۔ اللہ بڑی قدرت رکھتا ہے اور وہ غفور و رحیم ہے''۔ اللہ سبحانہ کی طرف سے دلائی گئی اُمید و رجا کو لفظ عسیٰ کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ یہ لفظ دلوں کو تبدیلی کی اُمید سے بھر دیتا ہے کہ بُغض و عداوت کی کیفیات محبت و مودت میں بدل سکتی ہیں اور اللہ دلوں کو تبدیل کر دینے پر قادر ہے۔ وہی تو ہے جو دلوں کو جیسے چاہتا ہے، الٹ پلٹ کرتا ہے۔ کینے اور بُغض کے گناہوں کو بھی اللہ تعالیٰ معاف کر دینے والا ہے۔ وہ اپنے اُن بندوں پر بہت مہربان ہے جو اپنے دلوں کو ان آلایشوں سے صاف کر لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے تو مسلمانوں کے ہاں یہ مقولہ مشہور ہے کہ ''کسی کے خلاف اپنی نفرت کا غصہ کچھ نرم رکھو، ہوسکتا ہے کسی وقت وہ شخص تمھارا گہرا دوست بن جائے''۔

۸- مکالمے کے بہترین انداز کی دعوت: اسلامی رواداری کی آٹھویں بنیاد یہ نکتہ ہے کہ مخالفین کے ساتھ بہترین اسلوب میں بات چیت کی جائے۔ نہایت شائستہ اور مہذب انداز میں اپنی بات کہی اور مخالف کی سُنی جائے۔ اس بنیاد کی دعوت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○ (النحل ۱۶:۱۲۵)، ''اے نبیؐ! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو، حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو۔ تمھارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے''۔

حکمت اور موعظۂ حسنہ کی دعوت بیش تر مقامات پر اپنے متفقین کے ساتھ گفتگو کے لیے ہے، اور احسن اسلوب میں جدال کی تعلیم بیش تر جگہوں پر اپنے مخالفین کے معاملے میں دی گئی ہے۔ مسلمانوں کو اُن کے رب کا یہ حکم ہے کہ وہ اپنے مخالفین سے ایسے بہترین طریقے سے مباحثہ و مکالمہ کریں جو مخالف کے لیے بات کو قبول کرنے کے اعتبار سے مثالی اور انتہائی مؤثر ہو۔

احسن طریقے سے جدال (مباحثہ و مکالمہ) وہ گفتگو اور بات چیت ہے جس کی دعوت ہم اپنے مخالفین کو بھی دیتے ہیں اور یہ ایسی چیز ہے جس سے دلوں کے اندر تناؤ اور دُوری پیدا نہیں ہوتی اور کوئی ایسا ہیجان برپا نہیں ہوتا جو فتنے فساد کا باعث بنے اور نتیجے کے طور پر ایک دوسرے کے بارے میں بُغض و عداوت پیدا ہو جائے۔ یہ طریقہ تو دلوں کو جوڑنے اور قریب کرنے کا سبب بنتا ہے۔ جیسا قرآن مجید نے اہلِ کتاب کے ساتھ مجادلے کے معاملے میں فرمایا ہے: وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ (العنکبوت ۲۹:۴۶)، ''اہلِ کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقے سے سوائے اُن لوگوں کے جو اُن میں سے ظالم ہوں ___ اور اُن سے کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اُس چیز پر بھی جو ہماری طرف بھیجی گئی ہے اور اُس چیز پر بھی جو تمھاری طرف بھیجی گئی تھی۔ ہمارا خدا اور تمھارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اُسی کے فرماں بردار ہیں''۔

اس آیت میں اُن جامع مشترکات پر زور دیا گیا ہے جن کے اُوپر فریقین کا ایمان ہے۔ اختلاف اور تفرقے کا باعث بننے والے نکات کو زیر بحث ہی نہیں لایا گیا۔ یہی اچھی گفتگو اور شائستہ مکالمے کا اصول ہے۔ اس بنیاد پر اسلام باہم مخالف گروہوں کے درمیان مکالمے کی ضرورت کو محسوس کرتا ہے وہ اُن کے درمیان تصادم کا قائل نہیں ہے، جیسا امریکی اسٹرے ٹیجک دانش ور سیموئیل پی ہنگ ٹنگٹن کا نظریۂ تصادم ہے۔ (ماخذ: www.qaradawi.net)

© rasailojaraid.com